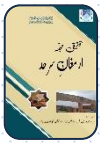

تحقیقی مجلہ ارمغانِ سرحد

pISSN: 3079-904X

eISSN: 3079-9058

(Research Journal: Armaghan-e-Sarhad) (Vol:3, Issue:1, 2026) جلد ۳، شمارہ ۱، جنوری تا جون ۲۰۲۶ء

شعبہ اردو، سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور

"An Analytical Study of Nazir Tabassum's Poetry"

نذیر تبسّم کی نظموں کا تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر الطاف یوسف زئی

صدر شعبہ اردو، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

Dr. Altaf Yousaf Zai
Chairperson, Department of Urdu, Hazara University, Mansehra

Abstract:

Nazir tabbasum is a well-known and iconic poet of the present age. He experimented with different literary genres like Ghazal, poem, Naat, Haiku, and mahiye. He gained fame mainly as a ghazal writer in literary circles it does not mean that his poems are devoid of intellectual depth and profundity of thoughts. Similarly, his poems are not below the standard in artistic skills, as compared to his ghazals. But it is pertinent to note that the critics and literary scholars have paid less heed and attention to his poems. That is why his poems have not received due recognition and acclode in the public. this negligence towards his poems by the literary scholars has been regretted by Nazir Tabbasum himself.

Keywords: Naat, litrary genres, Haiku,Poems, Nazir Tabbasum, Ghazal

صوبہ خیبر پختونخوا اپنی تہذیب و ثقافت کے لحاظ سے پاکستان کا ایک اہم اور نمایاں صوبہ ہے۔ ملک کے دیگر صوبوں کی طرح یہ صوبہ بھی تعلیم، صحت، کھیل، سیاحت اور ادب کے فروغ میں اپنی ایک الگ پہچان رکھتا ہے۔ دیگر شعبوں کی طرح اگر یہاں پر ادب خصوصًا شاعری کی بات کی جائے جو کہ میرا اصل موضوع ہے، تو یہاں کی شعری روایت اُتنی ہی پرانی ہے جتنی اُردو زبان کی ابتداء۔۔۔۔۔۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محمد سلیم بجا طور لکھتے ہیں:

> "ابتداء میں احساسات کا منظوم اظہار علاقائی، مادری زبانوں میں ہوا کرتا تھا لیکن یا تو شعراء اُمی ہوتے یا چھاپہ خانوں کے فقدان کی وجہ سے اُن کا کلام سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے ہوئے زمین میں مدفون ہو جاتا یا قلمی نسخوں ہی کو زمین کھا جاتی۔"(۱)

ڈاکٹر موصوف تو اس خطے کو اُردو زبان کے ابتدائی اور ارتقائی مراحل کا امین قرار دیتے ہیں۔ مزید لکھتے ہیں:

> "بحرِ تحقیق کے شناوروں نے صوبے کے مختلف علاقوں سے اِمتدادِ زمانہ کے ہاتھوں بچے کھچے مواد کو جمع کیا تو معلوم ہوا کہ یہی خطہ اُردو زبان کی ابتدائی ارتقائی مراحل کا امین ہے۔ یہاں ہندکو، پشتو، فارسی اور پراکرت کے امتزاج کا حامل ایسا کلام بھی ملتا ہے جسے اُردو کی ابتدائی شکل کہا جا سکتا ہے"(۲)

یہاں کے شاعروں نے پہلے پہل اپنے محسوسات اور قلبی اظہار کے لئے غزل، قطعہ اور پشتو چاربیتہ (پشتو ادب کی ایک قدیم اور مشہور صنفِ شاعری) کو اظہار کا وسیلہ بنایا جس میں مجموعی طور پر غزل کا بول بالا رہا۔
خیبر پختونخوا میں نظم گوئی کا رجحان کیسے پروان چڑھا؟ کیسے اُردو نظم کو فطری، قومی اور اخلاقی قدروں کے قریب لانے کی کوشش کی گئی۔ اس بارے میں ڈاکٹر محمد سلیم رقم طراز ہیں:

"۱۸۷۴ء میں حکومتی سرپرستی میں انجمن پنجاب کے زیرِ اہتمام اُردو نظم نے نئے معنی اختیار کیے۔ اور اب اسے مقصدی ادب کی ایک باقاعدہ اہم صنف سمجھا جانے لگا۔ روایتی شاعری کے تصنع، لفاظی، مبالغہ آرائی، بے جا استعارہ نگاری کی بنا پر ذہنی تلذذ اور فرضی عشق کی داستان سرائی کو ترک کرکے اُردو نظم کو فطری، قومی اور اخلاقی معیاروں کے قریب لانے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختونخوا) میں بھی غزل کی جگہ اُردو نظم کا رجحان پیدا ہوا۔"(۳)

لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ محمد حُسین آزادؔ اور مولانا الطاف حسین حالیؔ نے جدید نظم کا جو تصور پیش کیا تھا اس کی پیروی خیبر پختونخوا کے نظم نگاروں نے بھی کی اور اُردو نظم کے ارتقائی سفر میں نمایاں کردار ادا کرکے نظم کے مروجہ ہیئتی نظام، متنوع رجحانات اور منفرد اسالیب کے اثرات کو قبول کیا۔

موجودہ صدی میں بھی خیبر پختونخوا سے تعلق رکھنے والے جن شعراء نے نظم کی روایت کو زندہ رکھا ہے اُن میں ایک توانا آواز ڈاکٹر نذیر تبسّم کی بھی ہے، جو اپنے خاص رنگ میں ملکی اور صوبائی سطح پر اُردو نظم کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے ایک اہم نظم نگار کی صورت اپنی موجودگی کا احساس دلا رہے ہیں۔

نذیر تبسّم عصرِ حاضر کے ایک نامور شاعر ہیں۔ اگرچہ انھوں نے غزل، نظم، قطعہ، نعت، ہائیکو اور ماہیئے جیسے ادبی اصناف میں طبع آزمائی کی ہے اور بحیثیت غزل گو ادبی حلقوں میں زیادہ مقبول بھی ہوئے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اُن کی نظم فکری گہرائی اور شعوری رجحانات سے عاری ہیں یا فنی اعتبار سے غزل گوئی سے کم ہے بلکہ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ محققین اور ناقدینِ ادب نے اس طرف توجہ کم دی ہے۔ اس عدم توجہی کے سبب نذیر تبسّم کی نظم کو وہ عوامی پذیرائی حاصل نہیں ہوئی جس کے وہ آرزومند تھے۔
نذیر تبسّم کی نظم گوئی کے اعتراف میں صبیح احمد یوں رقمطراز ہیں:

"وہ صرف غزل کا شاعر ہی نہیں، وہ نظم بھی ٹھیک ٹھاک کہتا ہے۔ ٹھوکا ٹھاکی نہیں کرتا، چولیں درست نہیں کرتا، نئی چیز کہتا ہے اور ٹھوک بجا کر کہتا ہے۔"(۴)

نذیر تبسّم کی نظمیہ شاعری کا کینوس کافی وسیع ہے۔ اُن کے موضوعات میں بھی وُسعت اور رنگینی پائی جاتی ہیں۔ انھوں نے سماجی حقائق، ملکی مسائل، معاملاتِ حسن و عشق، امن و سکون اور انسانی ہمدردی جیسے آفاقی موضوعات کو نظم کے پیرائے میں پیش کرکے اپنے پختہ ادبی شعور کا ثبوت دیا ہے۔

نذیر تبسّم کی نظم پر مبنی کوئی مستقل تصنیف موجود نہیں، بلکہ غزلیہ اور نظمیہ شاعری پر مبنی تین شعری مجموعے "تم اداس مت ہونا"، "ابھی موسم نہیں بدلا" اور "کیسے رائیگاں ہوئے ہم" زیورِ طبع سے آراستہ ہوئے ہیں۔

نذیر تبسّم بنیادی طور پر ایک رومانوی شاعر ہیں۔ ان کی ساری شاعری پر رومانیت کی چھاپ ہے۔ ان کی نظموں میں رومانیت کی جملہ خصوصیات ملتی ہیں۔ ان کے ہاں حُسن پرستی بھی ہے اور زن پرستی بھی، فطرت شناسی بھی اور ماضی پرستی بھی، تخیل بھی اور جذبات کا شدید احساس بھی، یعنی ہر رومانوی رنگ نذیر تبسّم کی نظم میں ہمیں ملتا ہے۔

"عورت" نذیر تبسّم کی نظموں کا ایک بنیادی حوالہ ہے اور ان کی شاعری میں ہمیں بیشتر مقامات پر عورت سے لطیف جذبات و احساسات کا اظہار ملتا ہے۔ وہ عورت کے آفاقی تصور پر یقین رکھتے ہیں اور اسی کو اپنی شعریات میں پیش کرتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کی ایک نظم "میں عورت ہوں" ایک آفاقی نظم ہے جس میں وہ حقوق نسواں کے لیے آواز بلند کرتے ہیں اور معاشرے میں یہ احساس و شعور بیدار کرنے کی سعی کرتے ہیں کہ وہ قدرت کے اس انمول اور گراں قدر تحفے کی ضرورت اور اہمیت کو سمجھیں اور سماج سے عزت دلائیں تاکہ معاشرے میں عورت کا بھرم قائم رہے کیونکہ عورت ایک مہذب معاشرے کی تشکیل کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ اس اعتبار سے نذیر تبسّم کی یہ نظم لائقِ مطالعہ ہے۔

میرا ہر روپ بے حد خوب صورت ہے
مجھے سوچو، مجھے سمجھو
میں عورت ہوں، مرے دم سے ہر اک گھر میں اُجالا ہے
کبھی ماں اور کبھی بیٹی کی صورت ہوں
تقدس اور وفا کی ایک مورت ہوں
میں ہر رشتے میں تم سب کی ضرورت ہوں
گلوں سے پھوٹتی مہکار کی صورت
مرا دل ہے سراپا پیار کی صورت
زمانے سے مجھے عزت دلاؤ۔۔۔ تم
ضمیرِ آدمیت کو جگاؤ۔۔۔ تم
مجھے دل کے جھروکے میں سجاؤ۔۔۔ تم (۵)

"ماں" نذیر تبسّم کی نظمیہ شاعری کا ایک بنیادی حوالہ ہے۔ انہوں نے متعدد نظمیں اس احساس کے تحت قلم بند کی ہیں۔ نظم "ماں" "Mother Day" اور "نیند" اس نوع کی نظمیں ہیں۔ نذیر تبسّم کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے خیالات کو اس عمدگی اور سادگی سے بیان کرتے ہیں کہ پڑھنے والے اس کے ہم خیال ہو جاتے ہیں جو ایک سلجھے ہوئے فنکار کا منصب ہوتا ہے۔ نظم "نیند" میں نذیر تبسّم نے نہایت سادہ انداز میں لطیف شعر کہے ہیں۔ وہ اس نظم میں صحبتِ مادر میں میسر بے فکری کی نیند کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں:

پیڑ کے نیچے منجی پر
تکیے پر سر رکھتے ہی
آجاتی تھی گہری نیند

زادِ راہ کی گٹھڑی میں
کیا تھا میرے پاس نذیر
صرف یہی اکلوتی نیند

عمریں گزریں یار نذیر
وہ جو ماں کی گود میں تھی
پھر نہیں آئی ایسی نیند(۶)

نذیر تبسّم کی نظموں میں محبوب کا تصور بھی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ موجود ہے۔شاعری جذبات و احساسات کے اظہار کا ایک حسین وسیلہ ہے۔ تقریباًہر شاعر نے محبوب کے تصور، سراپا حُسن اور ناز و ادا کو سراہا ہے۔ نذیر تبسّم کے ہاں بھی ایسے کئی نمونے ملتے ہیں۔ انہوں نے بھی اپنے خاص انداز میں محبوب کے سراپے کو بڑی دلکشی سے بیان کیا ہے۔ ایک جمال پرست شاعر ہونے کی وجہ سے آپ ایک پھول کے مضمون کو سو رنگ میں باندھنے کا قرینہ رکھتے ہیں۔

اس حوالے سے ان کی نظم "وہ لڑکی" حسین تشبیہات و استعارات پر مبنی ایسی نظم ہے جس میں محبوب کے سراپے ناز و ادا اور حسن و جمال کی دلکشی دیکھی جا سکتی ہے۔ نظم کے اشعار ملاحظہ کیجیے۔:

رفاقتوں کے قرینوں سے آشنا لڑکی
صبا مثال سی، وہ ایک دلربا لڑکی
طلوعِ صبح سا پیرایۂ جمال لڑکی
وہ کائنات کا بے مثل معجزہ، لڑکی
وہ رنگ و نور کا، خوشبو کا استعارہ تھی
سماعتوں میں مہکتی ہوئی صدا، لڑکی
وہ خدو خال تھے یا بولتے ہوئے مصرعے
سراپا شعر تھی، خود بھی وہ شاعرہ لڑکی
قریب آتی تو جادو مہک مہک جاتے

وہ خوشبوؤں میں بسی اک ساحرہ، لڑکی
مرے وجود کی صحرا کو کر گئی، سیراب
وہ آنسوؤں سی برستی ہوئی گھٹا، لڑکی
سلگتی جاتی تھی اور مسکرائے جاتی تھی
وہ اپنی ذات میں جلتا ہوا دیا، لڑکی
کبھی کبھی بڑی شدت سے یاد آتی ہے
مری ہتھیلی پہ لکھی، وہ اک دعا لڑکی(۷)

نذیر تبسّم کی بعض رومانی نظمیں حسن و عشق کی تاثیر میں ڈوبے ہوئی ہیں۔ ان نظموں میں جذبات کی لے نہایت لطیف ہے اور حسن و عشق کی واردات کو ٹھہر ٹھہر کر اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ سارا منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ زبان کی شستگی، مانوس الفاظ کے استعمال اور دلفریب منظر کشی نے ان نظموں میں بڑی جاذبیت پیدا کر رکھی ہے۔

ان کے نظموں میں "شام سمے کی راگنی" "چھٹی والا دن" "ویلنٹائن ڈے" "عید کا دن" جبکہ مختصر نظموں میں "تارِ عنکبوت" "طاق میں رکھی خوشبو" اور "خمار" وغیرہ ایسی نظمیں ہیں جن کی تاثیر سے پڑھنے والا بچ نہیں سکتا۔

بطور مثال ان کی نظم "شبِ مہتاب" ملاحظہ فرمائیں:

شبِ مہتاب چاندنی اوڑھے
دل کے آنگن میں جب اُترتی ہے
زندگی کے نگار خانے میں
ایک خوشبو سی رقص کرتی ہے

جس طرح خواب میں کوئی دلہن
دل کے آئینے میں سنورتی ہے
شبِ مہتاب کے جھروکوں سے
ہم سے فطرت کلام کرتی ہے

ایسا منظر بیان کیسے ہو

ایک جادو ہے اک طلسم ہے یہ
رنگ و خوشبو کا پیرہن پہنے
شبِ مہتاب آئی ہے گھر میں (۸)

نظم "عید کا دن" بھی ایک قابلِ مطالعہ نظم ہیں:

نہ پوچھ کیسے گذارا ہے ہم نے عید کا دن
سنہرے لمحوں کی یادوں سے پیار کرتے ہوئے
کسی کے ہجر میں پل پل شمار کرتے ہوئے
لباس بدلا، نہ خوشبو سے آشنائی کی
اداسیوں کو گلے سے لگا لیا چپ چاپ
پھر اس کے بعد، رگ جاں میں اک غبار لئے
اکیلے کمرے میں موہوم سی توقع پر
کسی کے فون کا بس انتظار کرتے ہوئے
سنہرے لمحوں کی یادوں سے پیار کرتے ہوئے
کسی کے ہجر میں پل پل شمار کرتے ہوئے
"نہ پوچھ کیسے گذارا ہے ہم نے عید کا دن"(۹)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دُنیا میں سدا قائم رہنے والا جذبہ محبت ہے۔ محبت ہی کی وجہ سے دُنیا کی آرائش و زیبائش قائم ہے ۔ اگر محبت کا جذبہ نہ ہوتا تو شاید یہ عالم ادھوری رہتا۔ دُنیا کی ساری خوب صورتی، ساری ترقی اس لافانی جذبے کی وجہ سے ہے اس لحاظ سے محبت ہر ذی روح کی ضرورت ہے۔ لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم اس فطرتی جذبے کو دبانے کی کوشش کر رہے ہیں، اس سے لاعلمی اور بے تعلقی کا اظہار کرتے ہوئے مادہ پرستی کی طرف بڑھ رہے ہیں اور یہ مادہ پرستی آدمی کو زندگی سے بیزار کر دیتی ہے۔

نذیر تبسّم نے نظم "محبت اسم اعظم ہے" میں اس لافانی جذبے کی حقیقت اور اہمیت کو واضح کیا ہے اور آئندہ کی نسل کو اس جذبے کی قدر و منزلت سمجھانے اور برتاؤ میں لانے کی کوشش کرتے ہیں کہ محبت کا جذبہ ایک دائمی اور عالمگیر جذبہ ہے جو ہر صورت ہمارے درمیان ازل تا ابد قائم رہے گا۔ آئیں اس حوالے سے نظم کے اشعار ملاحظہ کرتے ہیں:

محبت تو ہمیشہ عالمِ امکان میں موجود رہتی ہے
کبھی منظر بدلتا ہے
کبھی کرداروں کی صورت گری تبدیل ہوتی ہے
کہیں دونوں بدلتے ہیں

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے
کوئی بدلے نہ بدلے موسموں کے بے وفا چہرے بدلتے ہیں
مگر یہ وہ حقیقت ہے
جو اک بے نام خوشبو کی طرح رگ رگ میں بہتی ہے
ازل سے تا ابد
جو روح اور وجدان میں موجود رہتی ہے
سفر کوئی بھی ہو، سامان میں موجود رہتی ہے
محبت تو اسمِ اعظم ہے
محبت تو ہمیشہ عالمِ امکان میں موجود رہتی ہے (۱۰)

نذیر تبسّم کی نظموں کی ایک اور خوبی حب الوطنی کا احساس ہے۔ یہ احساس ہمارے دیگر شعراء میں بھی پایا جاتا ہے جنہوں نے ملی نغموں اور گیتوں میں ملک و قوم سے والہانہ محبت اور گہرے لگاؤ کا اظہار کیا ہے۔ نذیر تبسّم بھی اس احساس سے سرشار نظر آتے ہیں ۔انہوں نے بھی ملک و قوم کی محبت اور عقیدت میں متعدد نظمیں تخلیق کیے ہیں۔ جس سے ان کی وطن دوستی، محبت اور خلوص کا پتہ چلتا ہے کہ وہ وطن کے حوالے سے کتنے حساس اور محتاط ہے۔

"اے وطن" "وطن کے لئے حرف دعا" اور "نمود کا سفر" اس حوالے سے نہایت عمدہ نظمیں ہیں۔ نظم "نمود کا سفر" اُس تاریخی دن کے احساسات کی ترجمان ہیں جب برصغیر کے مسلمان قلزمِ خون پار کرنے میں سرخرو ہوئے اور اُنہیں اپنے خوابوں کی تعبیر ملی تھی۔ نظم کا کچھ حصہ ملاحظہ فرمائیں:

وہ صبحِ عزمِ تازہ کتنی روشن تھی
فضائے کیف و مستی میں اجالے رقص کرتے تھے
فلک کی طشتری میں تھیں حسیں کرنوں کی سوغاتیں
چمن کے ذرے ذرے میں دھنک کے رنگ اترے تھے
دلوں میں آرزوؤں کا چراغاں تھا
نگاہوں میں تمناؤں کے جگنو تھے۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی
لبوں پر مسکراہٹ تھی۔۔
کہ اک جہدِ مسلسل کے مسافر عزمِ نو سے قلزم خوں پاٹ آئے تھے "(۱۱)

نذیر تبسّم کی نظموں میں جابجا تاریخی حوالے بھی ملتے ہیں جس سے ہمیں تاریخی شعور اور ماضی کے گزرے ہوئے واقعات سے آگاہی ملتی ہے۔ ۲۳مارچ ۱۹۴۰ء کو قائدِاعظم کی زیرِ قیادت اقبال پارک لاہور میں ایک قرارداد منظور ہوئی جس میں برصغیر کے

مسلمانوں کے لیے ایک الگ ریاست کے قیام کا مطالبہ کیا گیا۔ نظم "۲۳ مارچ" کے عنوان سے نذیر تبسّم نے اس تاریخی دن کا نقشہ کامیابی سے کھینچا ہے جب کُل ہند کی مسلم قیادت نے یک جان ہو کر تصور سے تعبیر تک کے سفر کا آغاز کیا جس کی بدولت ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ نظم کے اشعار بطورِ مثال ملاحظہ ہو:

وہ ایک سنہرا لمحہ تھا
کچھ اُجلے اُجلے چہروں نے
اک خواب کی جب بنیاد رکھی
جب آنکھوں سے کچھ پھول کھلے
اور ہونٹوں کو مسکان ملی
اک شان ملی پہچان ملی

وہ ایک سنہرا لمحہ تھا
جب نقشے پر اک پھول کھلا
اور آنے والے موسم میں
اک سبز ہلالی پرچم کو
اس دنیا میں اک آن ملی
اک شان ملی، پہچان ملی (۱۲)

نظم "بالاکوٹ ۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء" اس دن کی یاد میں لکھی گئی نظم ہے جب پاکستان کے صوبہ پنجاب، آزاد کشمیر اور خیبر پختونخوا میں قیامت خیز زلزلہ آیا تھا جس کی شدت ۷.۶ ریکٹر اسکیل ریکارڈ کی گئی تھی۔ یہ پاکستان کی تاریخ کا چوتھا بڑا زلزلہ تھا جس سے بالاکوٹ سمیت آس پاس کے مضافاتی علاقے متاثرہ ہو گئے تھے اور ایک ہنستا بستا خوشحال شہر پلک جھپکتے ہی زمین بوس ہو گیا تھا۔

۱۶ دسمبر ۲۰۱۶ء پاکستان کی تاریخ کا ایک اور سیاہ ترین دن جب پشاور میں واقع "آرمی پبلک اسکول" میں دہشت گردی کا نہایت افسوس ناک سانحہ پیش آیا جب چند دہشت گرد اسکول کے احاطے میں چوری سے گُھس آئے اور معصوم بچوں، بچیوں اور نہتّے اساتذہ کو اپنے درندگی کا نشانہ بناتے ہوئے اُنہیں نہایت سفاکیت سے قتل کیا۔ یہ دل خراش واقعہ نذیر تبسّم نے "سانحہ A.P.S" کے عنوان سے محفوظ کیا ہے تاکہ اپنے شہیدوں کی قربانی اور یادیں ہمیشہ ہمارے دلوں میں تازہ رہے۔ نذیر تبسّم ایک انسان دوست شاعر ہے وہ نہ صرف اپنے ملک بلکہ پوری دُنیا میں امن و سلامتی کے خواہاں ہیں۔ دُنیا کے کسی بھی خطے میں اگر انسانیت کی پائمالی ہو رہی ہو تو ایک حساس شاعر کی حیثیت سے وہ اُس واقعے سے گہرا اثر لیتے ہیں اور ظلم و بربریت کے خلاف جہاد بالقلم کرتے ہیں نظم "ارضِ کشمیر" اور "شہدائے کربلا" بھی اس تناظر میں لکھی گئی نظمیں ہیں۔

غم کا تصور ایک عالمگیر اور آفاقی تصور ہے جس کو تقریباً ہر زبان کے شاعر نے محسوس کیا اور بیان کیا ہے۔اُردو شاعری میں بھی غم کے مضمون کو شاعروں نے باقاعدگی سے باندھا ہے۔ جس کی کئی شعری مثالیں کلاسیکی اور جدید شاعری میں کثرت سے ملتی ہیں۔ غم زندگی کا ایک حقیقی پہلو ہے۔ جس سے کسی طور بچنا ممکن نہیں۔ نذیر تبسّم کی نظموں میں بھی غم کا پہلو کافی نمایاں ہے۔ خاص طور سے وہ نظمیں جو انہوں نے اپنی شریک حیات "یاسمین تبسّم" کی فرقت میں تخلیق کیں۔ جس کی ناگہانی موت سے نذیر تبسّم ایک مجسم درد کی تصویر بن کر رہ گئے۔ اس حوالے سے قابل مطالعہ نظمیں "یاسمین تیرے بغیر" "دل میں اگنے والی امر بیلیں" اے میرے غم گسار" اور "یاسمین کے لئے "وہ نظمیں ہیں جس میں نذیر تبسّم کا تصور غم کھل کر سامنے آتا ہے۔ نظم "یاسمین تیرے بغیر" میں اس کی دلی کیفیت کو محسوس کیا جاسکتا ہے کہ وہ کس کرب سے گزر رہے ہیں۔

کٹ چکے ہیں میرے سارے بال و پر تیرے بغیر
ہو چلا ہوں اب میں کتنا در بدر، تیرے بغیر
ایک میلہ سا لگا رہتا تھا جب ہوتی تھی تو
ہیں بہت افسردہ گھر کے بام و در تیرے بغیر
یہ بھی اب ممکن نہیں تو آ کے اتنا دیکھ لے
کس قدر اجڑا ہے تیرا سارا گھر تیرے بغیر
صرف تنہائی ہی میری مونس و غم خوار ہے
اب نہیں ہے کوئی میرا چارہ گر تیرے بغیر
اک مجسم درد کی تصویر بن کر رہ گیا
وہ ترا ہمراز، تیرا ہم سفر، تیرے بغیر (۱۳)

نذیر تبسّم کی نظموں میں خارجی اور داخلی غموں کا اظہار ہے لیکن ان میں قنوطیت کے آثار بالکل بھی موجود نہیں۔ وہ زندگی سے وقتی طور پر مایوس تو ہوتے ہیں پر نا امید نہیں۔ وہ ایک رجعت پسند شاعر ہے۔ اپنی شاعری سے محبت، ہمدردی، امن اور عظمت انسان جیسی اعلیٰ اقدار کا درس دیتا ہے۔ وہ خود بھی اپنے غموں کو اپنے آپ پر حاوی نہیں ہونے دیتے اور دوسروں کو بھی دکھوں سے نبرد آزما ہونے کا قرینہ سکھاتے ہیں۔ چھوٹی سی نظم "اعجاز" میں فرماتے ہیں:

نذیر! مجھ میں تو جینے کا حوصلہ ہی نہیں تھا
یہ کس نے اتنی محبت سے دی مجھے آواز
میں زندگی کی طرف پھر لوٹ آیا ہوں (۱۴)

"اُمید اور چراغ" کے عنوان سے اپنے احساسات یوں بیان کرتے ہیں:

خوشبوئیں ہیں کہ اڈتی ہی چلی آتی ہیں

عالم دشت، گل افشاں نظر آیا ہے مجھے
میں نے پھر بچوں کی آنکھوں میں شرارت دیکھی
روشنی، پھر ترا امکان نظر آیا ہے مجھے (۱۵)

نذیر تبسّم نے ہر موضوع پر کھل کر بڑی آزادی سے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ موضوع چاہے تاریخ ہو، فلسفہ ہو، فطرت ہو، یا کہ جنس۔۔۔ وہ اپنے خیال سے شاعری کا لطف پوری طرح قائم رکھتا ہے۔ نظم "اشتراکِ ذات کا بیگار کیمپ" اپنے موضوع اور ڈکشن کے لحاظ سے ایک منفرد نظم ہے جو دو روحوں کے ملاپ یعنی لمحۂ وصل کو بیان کرتا ہے۔ جس میں ایک عجیب سی، پُراسراریت پر مبنی، جنسی کیفیت کو موضوع بنایا گیا ہے۔

نذیر تبسّم کا خیال ہے کہ اشتراکِ ذات میں وجود کا وجود سے رفاقت کافی نہیں ہے بلکہ روحوں کا ملاپ بھی لازمی شے ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ اگر دو روحوں کا باہمی اشتراک کسی رسمی رشتے یا معاشرتی جبر کے پابند ہو تو ایسے اشتراک میں نہ تو چاہت کا وہ والہانہ پن موجود ہوتا ہے اور نہ ہی رگ وپے میں موجود بے کراں مستی۔ بلکہ یہ ایک رسمی ملاقات تشکیل پاتی ہے جس میں قربتیں بے یقین لگتیں ہیں اور سارا منظر سراب لگنے لگتا ہے اور یہ لمحۂ وصل کرب کا استعارہ بن جاتا ہے جو شاعر کے نزدیک زندگی کا ایک تلخ تجربہ ہے۔ نظم کا کچھ حصہ بطور مثال ملاحظہ ہو:

کس قدر تلخ تجربہ ہے یہ
لمحۂ وصل کی شراکت میں
روح سے روح جب نہیں ملتی
مرحلہ۔۔۔ لمس آشنائی کا
نہ وہ چاہت کا والہانہ پن
نہ رگ رگ میں بے کراں مستی
احتیاطاً گلے لگاتے ہیں
عادتاً ہونٹ چوم لیتے ہیں
پھر بھی دل کی کلی نہیں کھلتی
کس قدر تلخ تجربہ ہے یہ
اس حقیقت کو کون جھٹلائے
حسن اور عشق کے تناظر میں
ساعتِ وصل کی شراکت ہو
چاہے احساس کی نزاکت ہو

جبر کا تیر سہہ نہیں سکتی
اور پھر جبر بھی ضرورت کا
کس قدر تلخ تجربہ ہے یہ (۱۶)

نذیر تبسّم کی نظمیں جدید طرزِ فکر اور جدید طرز اظہار کا مظہر ہے۔ ۱۹۹۴ء سے اب تک کے تخلیقی سفر میں ان کی یہاں شعوری طور پر کافی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔وہ محض فطرت پسند یا حُسن پرست شاعر نہیں بلکہ ایک حساس شاعر کے طور پر ان کے یہاں عصر حاضر کے مسائل، عصری شعور، محبت، ہمدردی اور معاشرتی رویوں کے تضاد سے پیدا ہونے والے کیفیات کا بیان ان کے نظموں میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے بڑے بے باکی سے معاشرتی ناہمواری اور آس پاس کے سماجی منظر نامے کا نہایت ژرف بینی سے مشاہدہ کر کے ناپسندیدہ معاشرتی رویوں کے بنیادی محرکات کو اپنی شاعرانہ تجلّی سے آشکارہ کرنے کی کوشش کی ہے اور قارئین کو مثبت طرز فکر اپنانے کی دعوت دی ہے۔ نظم "پچھتاوا" اور "تم بھی۔۔؟" اپنے اندر یہی خصوصیت رکھتے ہیں۔

نذیر تبسّم کی نظموں میں جمالیاتی پہلو بھی فعال صورت میں نظر آتی ہے۔ یہ جمالیاتی عناصر کبھی کائناتی حسن تو کبھی نسوانی جمال کی صورت جلوہ گر ہو کر اپنے قارئین کو جمالیاتی ذوق سے آشنا کرتی ہے۔ اس حوالے سے ان کی نظمیں۔۔"خوشبو کا رقص" "بدن پر کھلنے والے پھولوں کی رات" "جاناں۔۔تمہارے بعد" اور "دھنک" لائقِ مطالعہ نظمیں ہیں۔

نذیر تبسّم کی نظموں میں مقامی رنگ نمایاں طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے کیونکہ کسی فرد کا اپنے علاقائی تہذیب وتمدن سے گہری وابستگی اور لگاؤ رکھنا ایک فطری عمل ہے۔ شہر پشاور اور اہل پشاور سے والہانہ عقیدت نذیر تبسّم کی نظموں کا نمایاں پہلو ہے۔ اس قسم کے کیفیات نظم "پشاور" اور "پشاور یونیورسٹی" میں نمایاں ہیں۔

فکری گہرائی کے ساتھ ساتھ فن کے اعتبار سے بھی نذیر تبسّم کی نظمیں بہت اہم ہیں۔ ان کی نظمیں ایک خاص غنائی تاثر، منفرد تراکیب، خوب صورت تشبیہات و استعارات، رمز و ایمائیت، منظر کشی اور پیکر تراشی کے دلفریب نمونوں اور مروجہ ہیئتوں کے موزوں استعمال سے اپنی انوکھی پہچان اور تاثیر رکھتی ہیں۔ انہوں نے اپنے جذبات کے اظہار کے لیے پابند، معریٰ، آزاد ہیئت کے علاوہ مستزاد، قطعہ، ماہیئے اور ہائیکو جیسی مختلف ہیئتوں میں فنکارانہ مہارت کا ثبوت پیش کیا ہے۔

نذیر تبسّم کی نظمیہ شاعری میں ہیئتی تنوع کے علاوہ موضوعاتی تنوع بھی موجود ہیں۔ ان کی نظم میں موضوعاتی اصناف کے نمونے بھی موجود ہیں۔ ان موضوعاتی اصناف میں حمد، نعت، مرثیہ، شہر آشوب، مناجات، رخصتی اور واسوخت قابل ذکر ہیں۔ شہر آشوب کی بہترین مثال ان کی نظم "پشاور" ہے۔ نظم "وطن کے لئے حرف دعا" مناجات کے خصوصیات سے مملو ہے۔ نظم "مایا کا جال" واسوخت کی ایک بہترین مثال ہے جبکہ نظم "ماں" اور "یاسمین تیرے بغیر" شخصی مرثیے کی بہترین مثالیں ہیں۔

مجموعی طور پر جہاں تک ہم عصر نظم گو شعراء میں نذیر تبسّم کی انفرادیت کا تعلق ہے تو ان کی نظم کئی حوالوں سے منفرد ہے۔ ایک شاعر کی سب بڑی انفرادیت ان کا اندازِ بیان ہوتا ہے اور یہی انفرادیت ان کے یہاں نمایاں ہے۔ نذیر تبسّم ایک منفرد لہجے، ایک خاص اسلوب

اور مخصوص طرزِ فکر کے شاعر ہیں اور جس فکری اُپج سے انہوں نے کائنات، انسان، فطرت اور اپنی ذات کو دیکھا ہے یہی ان کی انفرادیت ہے۔

نذیر تبسّم کی شاعرانہ عظمت اور مقام و مرتبہ بحیثیت غزل گو ادبی حلقوں میں پہلے ہی سے مسلم ہے لیکن اگر ان کی نظم کو بھی محققین ادب اور ناقدین فن کی توجہ حاصل ہو جائے تو نظم بھی نذیر تبسّم کی ادبی پہچان کا دوسرا سنجیدہ حوالہ بن سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر محمد سلیم، مضمون، صوبہ سرحد میں اُردو نظم نگاری، مشمولہ، خیابان، بہار ۲۰۰۶ء (پشاور) ص ۱۷۹

۲۔ ایضاً، ۱۷۹

۳۔ ایضاً، ۱۷۹

۴۔ صبیح احمد، مضمون، غیر مطبوعہ، مخزونہ نذیر تبسّم، ص ۲

۵۔ نذیر تبسّم، ابھی موسم نہیں بدلا، بابا قائم سائیں پرنٹنگ پریس، ۲۰۰۶ء ص ۶۱

۶۔ نذیر تبسّم، کیسے رائیگاں ہوئے ہم، بخاری پبلشرز پشاور پاکستان، ۲۰۱۵ء ص ۴۹

۷۔ نذیر تبسّم، ابھی موسم نہیں بدلا، ۲۰۰۶ء ص ۱۰۰

۸۔ نذیر تبسّم، کیسے رائیگاں ہوئے ہم، ۲۰۱۵ء ص ۱۷

۹۔ نذیر تبسّم، ابھی موسم نہیں بدلا، ۲۰۰۶ء ص ۲۳

۱۰۔ ایضاً، ص، ۴

۱۱۔ نذیر تبسّم، تم اداس مت ہونا، نیو اتفاق پرنٹنگ پریس، پشاور، ۲۰۰۶ء ص ۱۵۲

۱۲۔ نذیر تبسّم، کیسے رائیگاں ہوئے ہم، ۲۰۱۵، ص ۴۱

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۷

۱۴۔ نذیر تبسّم، ابھی موسم نہیں بدلا، ص ۶۸

۱۵۔ نذیر تبسّم، کیسے رائیگاں ہوئے ہم، ص ۴۰

۱۶۔ نذیر تبسّم، تم اداس مت ہونا، ص ۲۰

Refrences:

1. Dr. Muhammad Saleem, "Subah Sarhad mein Urdu Nazm Nigari," maqalah, mashmoolah *Khayaban*, Bahar 2006 (Peshawar), p. 179.
2. Ibid., p. 179.
3. Ibid., p. 179.
4. Sabeeh Ahmad, "Ghair Matbu'ah" (maqalah), Makhzoonah Nazir Tabassum, p. 2.
5. Nazir Tabassum, *Abhi Mausam Nahin Badla*, Baba Qaim Sain Printing Press, 2006, p. 61.
6. Nazir Tabassum, *Kaise Raigan Huay Hum*, Bukhari Publishers, Peshawar, Pakistan, 2015, p. 49.
7. Nazir Tabassum, *Abhi Mausam Nahin Badla*, 2006, p. 100.
8. Nazir Tabassum, *Kaise Raigan Huay Hum*, 2015, p. 71.
9. Nazir Tabassum, *Abhi Mausam Nahin Badla*, 2006, p. 23.
10. Ibid., p. 4.
11. Nazir Tabassum, *Tum Udaas Mat Hona*, New Ittifaq Printing Press, Peshawar, 2006, p. 152.
12. Nazir Tabassum, *Kaise Raigan Huay Hum*, 2015, p. 41.
13. Ibid., p. 27.
14. Nazir Tabassum, *Abhi Mausam Nahin Badla*, p. 68.
15. Nazir Tabassum, *Kaise Raigan Huay Hum*, p. 40.
16. Nazir Tabassum, *Tum Udaas Mat Hona*, p. 20.